بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

چند مہینوں سے اس رسالہ کے بیشتر صفحات، اور مرتب رسالہ کے تمام تر اوقات کو بعض اہم شرعی مسائل نے گھیر لیا ہے، جس کی وجہ سے اُن استفسارات کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا جو وقتاً فوقتاً باہر سے آتے رہے ہیں۔ خود مستفسرین کو بھی اس کا احساس ہے کہ جن مسائل پر اس وقت بحث ہو رہی ہے وہ زیادہ اہم ہیں۔ اسی لیے انہوں نے عدم توجہ کی شکایت نہیں کی۔ مگر اس مشغولیت کا سلسلہ نہ معلوم کب تک جاری رہے، لہٰذا تفصیلی تحقیق کا خیال چھوڑ کر اشارات میں ان شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

سورۂ نمل کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ملکۂ سبا اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو جب "ھدھد" کے ذریعہ سے قوم سبا کے شرک اور ان کی آفتاب پرستی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس قوم کی ملکہ کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ملکہ نے اس باب میں اپنے امرا و اعیان سلطنت سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی زور و بازو رکھتے ہیں۔ جنگ کیے بغیر اطاعت نہ کریں گے۔ مگر ملکہ نے جنگ کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور اس کے بُرے نتائج سے آگاہ کر کے مصالحانہ روش اختیار کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ سب کے اتفاق سے ایک بیش قیمت ھدیہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت

میں بھیجا گیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ہدیے کی ضرورت نہیں، میں تمہارے اسلام یا اطاعت کا طالب ہوں۔ غرض جنگ کا اعلان ہوگیا۔ اس اعلان کے بعد آنحضرت اپنے اعیان دولت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس ملکہ کا تخت میرے پاس اٹھا لائے۔ ایک جن نے عرض کیا کہ میں دربار کے برخاست ہونے سے پہلے اس کو لے آؤں گا۔ ایک دوسرے شخص نے جو "کتاب کا علم رکھتا تھا" کہا کہ میں بچشم زدن میں اس کو حاضر کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے فی الواقع پلک جھپکاتے تخت لا حاضر کیا۔ اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضح القرآن میں لکھتے ہیں:۔

"کافر جو اپنے ایمان میں نہیں اس کا مال زبردستی حلال ہے جب وہ مسلمان ہوا پھر حلال نہیں"۔

پھر جب حضرت سلیمان نے ملکہ کو اپنے سامنے حاضر پایا تو بے اختیار بول اٹھے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے۔ وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں شاکر بندوں کی طرح اس کی نعمتوں کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرتا ہوں، یا کافروں کی طرح کفران نعمت کرتا ہوں۔ یہاں حضرت مرحوم نے پھر شرح فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

"یعنی ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے کرامت ہونے لگی ...... اور اس کے پاس ایک علم تھا کتاب کا یعنی اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر کا وہ شخص آصف تھا ان کا وزیر"

آیات مذکورۂ بالا اور ان کے متعلق حضرت شاہ صاحب رح کے حواشی پر ایک عزیز نے حسب ذیل شبہات ظاہر کیے ہیں۔

(۱) ایک جلیل القدر پیغمبر کسی دوسرے کی ملک پر بلا ضرورت کیوں تصرف کرنے لگے اگر ملکۂ سبا کو کسی معجزہ سے مرعوب ہی کرنا تھا (حالانکہ یہ بات کسی پیغمبر کے بس کی نہیں) تو کسی اور طریقہ سے مرعوب کرتے جو جائز اور حلال ہوتا نہ کہ اس طرح سے۔ فرض کیا کہ کافر کا مال مباح ہے۔ مگر پیغمبر کا تقویٰ اس سے بالاتر ہے کہ وہ مباحات کے ادنیٰ مراتب سے استفادہ کرے۔

(۲) اسم اعظم وغیرہ کا تخیل نہ صرف غیر شرعی بلکہ جاہلانہ تخیل ہے۔ پھر پیغمبر یا ان کے مصاحبوں کا ایسا فعل کیونکر لائق تحسین ہوسکتا ہے۔

(۳) ملکۂ سبا کا تخت اٹھا منگانا حضرت سلیمان کا معجزہ نہیں ہوا بلکہ ان کے ایک مصاحب کی کرامت ہوئی جو پیغمبر شیاطین اور اجنّہ تک کو مسخر کرسکتا ہے وہ کیا آن کی آن میں اپنی قوت اعجاز سے تخت نہیں لاسکتا۔

(۴) توریت اور تالمود میں جہاں انبیاء بنی اسرائیل کے مفصل سوانح حیات مذکور ہیں کوئی تذکرہ اس قسم کا نہیں پایا جاتا۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ اسلام نہ تو حکومت خود اختیاری (سلف گورنمنٹ) کا قائل ہے، اور نہ جہانگیری (امپیریلزم) کا، بلکہ اس کا نظریۂ سلطنت تمام دنیا کے نظریات سے مختلف ہے، اور جذبات وخواہشات نفس کے بجائے خالص عقلی اصول پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ کا لب لباب یہ ہے کہ زمین کی حکومت صرف صالحین کا حق ہے، اور مرد صالح وہ ہے جس کے پاس خدا کا بخشا ہوا علم، اور خدا کی دی ہوئی طاقت ہو۔ جو اس علم اور طاقت کو خدا کے قانون کی صحیح پیروی میں استعمال کرتا ہو۔ جس کے پیش نظر اپنے نفس

یا اپنی قوم کا مفاد نہیں بلکہ کل نوعِ انسانی کا اخلاقی، روحانی اور مادی فائدہ ہو۔ ایسا شخص کسی ایک قوم کی میراث نہیں، بلکہ تمام نوع کی مشترک میراث ہے، اور اسی کو یہ حق پہنچتا ہے، اور اسی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تمام دنیا میں خدا کے قانون کی حکومت قائم کرے، اور خدا کے بندوں کو ظالموں کی حکومت اور ظالمانہ قوانین کی جکڑبندی سے نجات دلائے۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کے پاس نہ الٰہی ہدایت ہے، نہ آلٰہی قانون ہے، نہ ایسی طہارتِ نفس ہے کہ خود غرضی اور تکبر سے بالاتر ہو کر خالص مفادِ عام کی خدمت کے لیے حکومت کریں، ہرگز اس کا حق نہیں رکھتے کہ حکومت و سلطنت کی باگیں ان کے ہاتھوں میں رہیں۔ وہ خواہ اپنی قوم پر حاکم ہوں یا غیر قوموں پر، بہرحال وہ ظالم ہیں، اور صالح کو حق پہنچتا ہے کہ اگر طاقت اس کے ہاتھ میں ہو تو ان سے حکومت چھین لے۔ ایسے لوگوں کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر انہوں نے مان لیا اور قانونِ آلٰہی کے متبع بن گئے تو وہ بھی صالحین کے گروہ میں آجائیں گے اور حسبِ صلاحیت ان کو حکومت میں حصہ لینے کا حق مل جائے گا۔ اور اگر انھوں نے انکار کیا تو وہ حاکم بن کر نہیں رہ سکتے ان کو طاقت سے مغلوب کر کے ان کی حکومت مٹا دی جائے گی، اور انہیں اسلام کے سیاسی قوانین کا تابع بن کر رہنا پڑے گا، تاکہ وہ کم از کم خدا کی زمین میں شر و فساد نہ پھیلا سکیں۔ باقی رہا ان کا شرک و کفر تو اس کی سزا ان کو خود اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دیگا۔ دنیا میں ان کو یہ آزادی حاصل رہے گی کہ جس اعتقاد اور جس مذہب کی چاہیں پیروی کریں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے طرزِ عمل کو ملاحظہ کیجیے۔ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں، اللہ نے ان کو علم عطا کیا ہے (وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا۔ النمل ۲) ان کو طاقت

اورعمل صالح کے اعتبار سے نہ صرف کفار پر بلکہ عام مومنین پر بھی برتری عطا فرمائی ہے۔ (الحمد للہ الذی فضلنا علیٰ کثیر من عبادہ المؤمنین۔ النمل۔ ۲)۔ ان میں وہ تمام اوصاف جمع ہیں جن کی بنا پر قانون الٰہی کے مطابق ایک شخص حکمرانی کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ (اِنَّ اللہَ اصطفٰہُ علیکم وزادہٗ بسطۃً فی العلم والجسم۔ البقرہ ۳۲) خود ان کے پدر گرامی قدر حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کتاب حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس میں یہ قاعدۂ کلیہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ زمین کی حقیقی وراثت صرف صالحین کو پہنچتی ہے، یعنی جو صالح نہیں ہیں وہ حکومت کے جائز حق دار نہیں بلکہ غاصب ہیں (ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ الانبیاء۔ ۷)۔ اب ان کو خبر ملتی ہے کہ ایک قوم آفتاب کی پرستار، شیطان کی متبع اور راہ راست سے ہٹی ہوئی ہے (یسجدون للشمس من دون اللہ وزین لھم الشیطٰن اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون۔ النمل۔ ۲)۔ قاعدۂ اسلامی کے مطابق حضرت سلیمان اس کو دعوت دیتے ہیں کہ یا اسلام قبول کرو یا حکومتِ صالحہ کے مطیع ہو جاؤ کیونکہ شیطانی طریقہ کے پیرو رہتے ہوئے تم کو حکومت کا حق نہیں، عام اس سے کہ تمہاری حکومت خود اختیاری ہو یا جہانگیرانہ (الا تعلوا علیَّ واتونی مسلمین۔ النمل: ۲)۔ اس قوم کی ملکہ اس نامۂ گرامی کو دیکھ کر ایمان کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ (واوتینا العلم من قبلھا وکنا مسلمین۔ النمل: ۳)۔ مگر قومی عصبیت اور دین آبائی کی محبت اس کو ایمان لانے سے روک دیتی ہے (وصدھا ما کانت تعبد من دون اللہ انھا کانت من قوم کٰفرین (النمل۔ ۳)۔ اپنی سلطنت کے امراء و اعیان سے رائے لیتی ہے، وہ لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کو روکتی ہے

اور حضرت سلیمان کو ہدیہ بھیج کر راضی کرنا چاہتی ہے، لیکن حضرت سلیمان اس پیشکش کو رد فرما دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ تھے جن کا مقصود محض مال و دولت ہوتا ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے کہ لوگوں کو دین الٰہی کا پیرو بنائیں یاکم از کم ان حکومتوں کو جو عصیان و طغیان پر قائم ہوں، مٹا کر الٰہی قانون کی حکومت قائم کر دیں۔ اس غرض کے لیے وہ اعلان جنگ کر دیتے ہیں اور ایک فوج ملک سبا کی طرف بھیجتے ہیں۔ اب ان کی پیغمبرانہ حکمت اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ ملکہ کے گرفتار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت اٹھوا منگائیں۔ اس کی مصلحت یہ تھی کہ اصل مقصود ملک فتح کرنا نہ تھا بلکہ اس ملکہ اور اس کی قوم کو مسلمان کرنا تھا۔ فوج کی چڑھائی سے ملک کا مسخر ہو جانا تو یقینی تھا، مگر اس امر کا یقین نہ تھا کہ محض افہام و تفہیم سے یہ لوگ اس شرک کا نہ مذہب کو چھوڑ دیں گے جس پر صدیوں سے وہ اور ان کے آباو اجداد جمے ہوئے تھے۔ اس غرض کے لیے خدائی طاقت کے ایک مظاہرہ کی بھی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے معبود کی بے بسی اور خدائے واحد کی قدرت بے پایاں کا ایک ادنیٰ کرشمہ بچشم سر دیکھ لیں۔ چنانچہ تخت منگالیا گیا اور جب ملکہ حاضر ہوئی تو اس کے سامنے بالکل انجان بن کر پیش کیا گیا۔ (قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ۔ النمل - ۳) ملکہ نے تخت کو دیکھا تو پہچان گئی اور اب وہ ایمان جو حضرت سلیمان کی پہلی دعوت پر محض ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا، اپنی پوری روشنی کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا۔ (وَقَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ۔

اس تشریح سے یہ شبہہ رفع ہو جاتا ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر نے "دوسرے کی

ملک "پر" بلاضرورت" تصرف کیا۔ وہ ملک خدا کی تھی۔ دوسرا اُس پر حق کی راہ سے نہیں ظلم اور غصب کی راہ سے قابض تھا، قانونِ الٰہی کے مطابق اس کو بے دخل کر دینے کی ضرورت تھی تاکہ وہ یا تو قانونِ الٰہی کا اتباع قبول کرے یا کم از کم دنیوی امور میں حکومت صالحہ کا مطیع ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدا پرستی، اور نفسانی اغراض سے پاکیزگی کا کمال تو دیکھیے۔ مال و دولت کو یہ کہکر ٹھکرا دیتے ہیں کہ میرے خدا نے جو کچھ مجھکو دیا ہے وہ تمہارے مال سے بہتر ہے۔ مخالف قوم کی ملکہ کا تخت جب آن کی آن میں اپنے قدموں کے نیچے دیکھتے ہیں تو اپنی طاقت و شوکت کی تعریف میں ایک حرف بھی زبان پر نہیں آتا۔ زبان کھلتی ہے تو اپنے پروردگار کے فضل و احسان کی تعریف میں اور سر جھکتا ہے تو اپنے آقا کے شکریہ میں۔ جو وقت ایک بادشاہ کے لیے انتہائی فخر و مباہات کا تھا اس وقت یہ عجز و نیاز اور یہ شکر و سپاس! پھر سبا کی ملکہ مغلوب ہو کر آتی ہے تو اس کے ملک کا کوئی حصہ نہیں مانگا جاتا اس سے تجارتی اور معاشی امتیازات طلب نہیں کیے جاتے۔ اس پر انتداب (مینڈیٹ) یا حمایت (پروٹیکٹوریٹ) قائم کرنے کی تجویز نہیں کی جاتی اس کے ان ریزیڈنسی اور ہائی کمشنریوں قائم کرنے کا ذکر بھی درمیان میں نہیں آتا۔ پیش کیا جاتا ہے اس کے سامنے کلمۂ حق۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشان (یعنی خود اس کا تخت) اس کو دکھایا جاتا ہے تاکہ اس کی ہدایت ہو۔ اس معجزہ کو دیکھ کر ادھر اس کی زبان پر یہ کلام جاری ہوتا ہے کہ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اور ادھر بادشاہ اسلام مطمئن ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ اپنی ذات یا قوم کے لیے کسی چیز کا طالب نہ تھا۔ اس کو تو صرف اس بات کی لگن لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح ان کے دین اور دنیا کو خرابی سے بچا لے۔ جس فرمانروائی

یہ نیت ہو جس کا یہ طرز عمل ہو، اگر وہ زمین کی حکومت کا جائز وارث نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے۔

جائز اور حلال کی بحث تو آپ ہی آپ طے ہو گئی پیغمبر کا تقوٰی اُس سے بھی بڑھ کر نکلا جس کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ کافر کا مال لوٹنا تو درکنار، اس کا مال اسی کو سونپا اور اپنے پاس سے سب سے زیادہ قیمتی دولت اس پر اضافہ کی معجزے سے مرعوب کرنے کی حکمت و مصلحت بھی ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس معجزانہ قوت کو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے، اللہ ہی کے کام میں خالص اور پاک نیت کے ساتھ استعمال کیا گیا، لہٰذا اس میں نہ کوئی چیز جاہلانہ ہے، نہ خلاف شرع اور نہ قابل نکیر اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کے بجائے اس معجزہ کا صدور ایک دوسرے شخص کے ذریعہ سے کیوں کرایا گیا؟ یہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو یہی کام خود آنحضرت علیہ السلام سے بھی لے سکتا تھا۔ مگر جب اس نے ان کے بجائے ایک دوسرے شخص کو اس کے لیے انتخاب کیا تو ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔

میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا، مگر غور کرنے سے جو مصلحت میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں جن کی قوت ناریہ اور انسان کی قوت علمیہ کا فرق ظاہر کرنا مقصود تھا۔ انسان اگرچہ قید جسمانی میں رہ کر اپنی محدود مادی طاقت سے کوئی فوق العادہ کام نہیں کر سکتا، اور اس حیثیت سے جن کا وجود ناری اس کے وجود خاکی سے بہت زیادہ قوی ہے، لیکن جب علم کتاب کی قوت انسان کے ساتھ ہو، تو وہ تمام طاقت والوں سے بڑھ کر طاقت ور ہو جاتا ہے۔ اس قوت علمیہ کا مظاہرہ اگر پیغمبر کے ذریعہ سے کرایا جاتا، تو اس شبہ کی گنجایش نکل سکتی تھی کہ پیغمبر تو جن و انس میں سب سے افضل ہے ہی۔ اس کی فوقیت اگر ثابت ہو گئی تو اس سے بشر من حیث البشر کا علمی تفوق ظاہر نہیں ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی غیر نبی انسان سے اس علمی طاقت کا مظاہرہ کرا دیا تا کہ حقیقت بالکل

عیاں ہوجائے۔ ادنیٰ شبہ بھی باقی نہ رہے۔

توریت اور تالمود میں یہ قصہ کیوں نہیں ہے؟ اس کا جواب آپ کو قرآن اور توریت کے تقابل سے خود مل جائیگا توریت تاریخی افسانوں کی ایک کتاب بن کر رہ گئی ہے جس میں غیر ضروری تفصیلات بہت ملیں گی مگر بہت ہی کم کوئی ایسی چیز پائی جائے گی جو اپنے اندر کوئی حکمت، کوئی موعظت، کوئی دینی، اخلاقی، شرعی یا سیاسی سبق رکھتی ہو۔ بخلاف اس کے قرآن میں تمام غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کا عطر نکال لیا گیا ہے اور صرف وہ چیزیں پیش کی گئی ہیں جو ہر زمانے اور ہر قوم کے انسانوں کے لیے اپنے اندر بے حد و حساب ہدایتیں رکھتی ہیں۔ بے کار تاریخی جزئیات توریت میں بہت ہیں اور قرآن میں کہیں نہیں۔ سبق آموز واقعات تمام تر قرآن میں بیان ہوئے ہیں، توریت میں اکثر و بیشتر تو ملتے ہی نہیں اور اگر ملتے ہیں تو ان کو خشک اور غیر تعلیمی انداز بیان سے اس درجہ مسخ کر دیا گیا ہے کہ قلب پر ان کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ بات یہیں تک نہیں، اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ متعدد پیغمبروں کی زندگیوں کو توریت اور دوسری اسرائیلی روایات میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پیغمبر ماننا تو درکنار، کوئی اعلیٰ درجہ کا شریف انسان تسلیم کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ فخر صرف قرآن کو حاصل ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کو ان اسرائیلی نجاستوں سے پاک کیا ہے، اور از سرِ نو دنیا میں ان پاک شخصیتوں کی وہ عظمت و حرمت قائم کی ہے جس کے وہ دراصل مستحق تھے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے حالات توریت میں پڑھیے، کتنے ہی سیاہ دھبے آپ کو وہاں نظر آئیں گے۔ قرآن میں دیکھیے۔ آسمان عزّ و شرف کے چمکتے ہوئے مہ و انجم دکھائی دیں گے۔ خود حضرت سلیمان کو اسرائیلیات میں نبوت کیا معنی ایمان سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ وہ کافر، بت پرست اور جادوگر

حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو بتایا کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مومن اور اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔

بنی اسرائیل کا مذاق اخلاقی و روحانی معاملات میں کچھ اس درجہ پست واقع ہوا تھا کہ انہوں نے نہ صرف اپنی کتابوں میں خود اپنے انبیاء کی سیرتوں کو جھوٹے افسانوں سے داغدار بنایا، بلکہ جب قرآن مجید نے ان کے ملکات فاضلہ و اخلاق حسنہ اور ان کے بلند پایہ کارناموں کی صحیح تصویر کھینچی تو ان کو یقین نہ آیا کہ انسانی سیرت اتنی پاکیزہ بھی ہو سکتی ہے، بشری اخلاق اتنے بلند بھی ہو سکتے ہیں، آب و گل کے بنے ہوئے آدمی اس قدر پاک نفس عالی حوصلہ اور فانی فی اللہ بھی ہو سکتے ہیں! ان کے تصور سے یہ چیزیں بہت بالا و برتر تھیں اسی لیے نزول قرآن کے بعد اسرائیلی مذاق کی کارفرمائی پھر شروع ہو گئی۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصے بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک ایک پر ہاتھ صاف کیا گیا اور ہر ایک کی جان نکال لی گئی۔ قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ قصوں کی غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر صرف کام کی باتیں لے لیتا ہے، اس طرح واقعات کے درمیان جو خلا چھوٹ جاتا ہے اس کو پڑھنے والا خود اپنے تصور یا بیرونی معلومات سے (اگر ہوں تو) بھر سکتا ہے مگر اسرائیلی مذاق رکھنے والوں نے اس خلا کو افسانوں سے پر کیا اور افسانے بھی ایسے پست اور دنی کہ ان کے ساتھ مل کر اصل قصے کی تعلیم ہی باطل ہو گئی۔ بدقسمتی سے قصص القرآن کی تفسیروں میں یہی اسرائیلیات کثرت سے رائج ہو گئے ہیں، اور قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کو اکثر شبہات انہی کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

اسی قصہ سلیمانؑ و ملکہ سبا کو دیکھ لیجیے قرآن کے صاف اور سادہ بیان میں حضرت سلیمان کی سیرت پاک کا کتنا اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مگر اسرائیلی مذاق کی کارفرمائی نے اس کی اہم خصوصیات میں سے ایک ایک کو مٹا کر چھوڑا، اور اسکو اپنے بلند مقام سے گرا کر ایسی پستی میں پھینک دیا کہ اس میں کوئی تعلیمی روح باقی ہی نہ رہی، بلکہ پڑھنے والا اگر اس روشنی میں اس قصے کو پڑھے تو اس کو تعجب ہوگا کہ قرآن میں اس قصہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ملکہ سبا کے ہدیے کو واپس کرنے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے۔ مگر اسرائیلی مذاق نے اس کی جو توجیہ کی ہے وہ بھی سنیے ملکہ

نے دو سو غلاموں اور دو سو لونڈیوں کو ایک سا لباس پہنا کر بھیجا تھا جس میں تمیز نہ ہوتی تھی کہ غلام کون ہے اور لونڈی کون۔ وہ اس سے حضرت سلیمان کی عقل کا اندازہ کرنا چاہتی تھی۔ حضرت سلیمان کے پاس یہ جماعت پہنچی تو انہوں نے لونڈیوں کو الگ اور غلاموں کو الگ کر دیا اور کہا کہ ان کو لے جاؤ۔ ایسا ہدیہ تمہیں کو مبارک ہے۔ اس توجیہ کے بعد حضرت سلیمان کے جواب پر نظر ڈالیے کیا اب بھی اس میں کوئی جان کوئی بلند اخلاقی روح پائی جاتی ہے؟

تخت اٹھوا کر منگانے کی مصلحت بھی آپ کو اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ اب ذرا اس توجیہ کو بھی دیکھیے جو اسرائیلیات کے زیر اثر لکھی گئی ہے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان سے سبا کے تخت شاہی کی بڑی تعریف کی تھی۔ سارا تخت سونے اور بیش قیمت جواہرات کا بنا ہوا ہے۔ کاریگری کا عجیب نمونہ ہے۔ ایک بے بہا چیز ہے۔ حضرت سلیمان ان تعریفوں کو سن کر بے تاب ہو گئے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ملکہ سبا اور اس کے اعیان سلطنت کو لیے آتی ہے تو انھیں خیال ہوا کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو گئے یا انھوں نے اطاعت قبول کر لی تو پھر یہ چیز ہاتھ نہ آ سکے گی۔ لہٰذا انہوں نے حکم دیا کہ ان کے آنے سے پہلے تخت یہاں لے آؤ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کہاں وہ پاک نیت اور کہاں یہ طمع و حرص۔ کس بلندی سے کس پستی میں اس واقعہ کو پھینکا گیا ہے۔

تخت کو ملکہ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ تو جس متاع عزیز کو قفلوں میں بند کر کے بڑے چوکی پہروں میں رکھ آئی تھی وہ یہاں حاضر ہے۔ یہ الٰہی علم کی طاقت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے اور تیری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ دلائل عقلی کے ساتھ اس دلیل مادی کو محض اس لیے پیش کیا گیا تھا کہ کسی طرح اس عورت کو ہدایت نصیب ہو جائے تو حضرت سلیمان نے اس فعل کی غرض یہی بتائی ہے کہ نَنظُرْ اَتَهْتَدِیْ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ۔ مگر ایسی کھلی ہوئی بات بھی افسانہ طلب حضرات کے ذہن کی رسائی سے بالاتر ثابت ہوئی۔ انہوں نے تخت کو پیش کرنے کی توجیہ یہ کی کہ حضرت سلیمان اس کی عقل کا امتحان لینا چاہتے تھے اس لیے تخت کی ساخت میں کچھ ترمیم کرا دی اور اس کے سامنے رکھوا دیا تاکہ دیکھیں کہ وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہیں! انبیاء کے کاموں کو جب عامیانہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے تو وہ اسی طرح بلند مقاصد اور اعلیٰ درجہ کے مصالح و حکم سے خالی نظر آتے ہیں۔

سب سے زیادہ رکیک بات جو اس سلسلہ میں کہی گئی ہے وہ شیش محل میں ملکہ سبا کی حاضری سے متعلق ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکہ کے سامنے اس کا تخت پیش کرنے کے بعد اسے اپنا شیش محل دکھایا جس کا فرش بھی شیشے یا بلور کا تھا۔ ملکہ جب وہاں پہنچی تو شیشے کے فرش کو پانی سمجھ کر اپنے پائنچے اٹھانے لگی۔ حضرت سلیمان نے کہا کہ یہ شیشے کا فرش ہے! اب ملکہ کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اس کے دل نے گواہی دی کہ جس شخص کے پاس اتنی بڑی سلطنت ہے، اتنی دولت ہے، اس قدر اسباب عیش و نعمت ہیں، ایسی غیر معمولی طاقتیں ہیں کہ چشم زدن میں خود میرا تخت ہزاروں میل سے اٹھوا منگاتا ہے، اور پھر ان سب چیزوں کے باوجود اس کے اخلاق، اس کی طہارت نفس، اس کے تقویٰ اور خلوص و للٰہیت کا یہ حال ہے، وہ یقیناً ایک سچا آدمی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے دعوائے نبوت کی تکذیب کی جائے۔ اسی لیے بے اختیار وہ بول اٹھی کہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ اب تک تجھے چھوڑ کر آفتاب کی پرستش کرتی رہی۔ اب میں سلیمان کے ساتھ اس اللہ کی پرستش کرتی ہوں جو سارے جہان کا رب ہے۔

اب ذرا اسرائیلی مذاق کی تفسیر دیکھیے جو شیاطین اور جن حضرت سلیمان کے تابع فرمان تھے انہیں خوف ہوا کہ حضرت کہیں ملکہ سبا کو دیکھ نہ جائیں اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ عورت ایک جنی عورت کے پیٹ سے ہے اور اس کے پاؤں انسان کے سے پاؤں نہیں ہیں بلکہ گدھے کے کھر ہیں۔ حضرت سلیمان نے اس بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے حکم دیا کہ ایک شیش محل بنایا جائے جس کا فرش بھی شیشے کا ہو اور اس فرش کے نیچے پانی بھر دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ ملکہ جب داخل ہو گی تو پانی دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے گی اور یوں اس کی پنڈلیاں دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک یہ ایک نبی کا قصہ ہے یا کسی نفس پرست و دنی الطبع بادشاہ کا؟

یہ چند نمونے ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسرائیلی مذاق اور اسرائیلی ذہنیت نے تورات کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے بعد قرآن کی تعلیمات کو بھی مسخ کرنے، اور انبیاء علیہم السلام کی پاک زندگیوں پر اپنے تخیل کے سیاہ دھبے ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے قرآن کو اپنی اصلی صورت میں محفوظ کر دیا جس کی طرف رجوع کر کے ہر متلاشی حق انسان صحیح سبق اور صحیح علم حاصل کر سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص قرآن کی موجودگی میں بھی اسرائیلیات سے شغف رکھے اور تورات و تالمود ہی کو قرآن کی تعبیر و تفسیر کا ذریعہ سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔